شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

زیرِ سرپرستی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ
مسند نشین سلسلہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

فروری 2011ء / صفر، ربیع الاوّل 1432ھ - جلد نمبر 3، شمارہ نمبر 2 - قیمت فی شمارہ: مبلغ 12 روپے - سالانہ ممبرشپ: مبلغ 150 روپے - تین سالہ ممبرشپ: مبلغ 400 روپے

مجلسِ ادارت

صدرِ مجلس: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
مدیرِ اعلیٰ: مفتی عبدالخالق آزاد
مدیر: محمد عباس شاد

ترتیب عنوانات

درسِ قرآن: تشریح .... حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ 2
درسِ حدیث: تشریح ... حضرت مولانا خواجہ عبدالحئیؒ فاروقیؒ 2
اداریہ .... مدیرِ اعلیٰ 3
تکمیلِ ایمان کے معاشرتی تقاضے .... پروفیسر حافظ طیب ندیم 3
خطبہ جمعۃ المبارک .... مفتی عبدالخالق آزاد 4
روداد سفرِ حج .... مفتی عبدالغنی قاسمی 7
رفتارِ کار .... عتیق الرحمٰن ایڈووکیٹ 8
دینی مسائل .... مفتی عبدالغنی قاسمی 8

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا **شاہ عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ
مسند نشین ثانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

ایک صاحب نے سوال کیا کہ: حضرت! درود شریف پڑھتے وقت کیا خیال کیا جائے؟

فرمایا کہ: ''اس طرح گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر بیٹھ کر پڑھ رہے ہو۔ اور ایک نور کا فیض اِدھر سے تمہارے قلب میں آ رہا ہے۔'' پھر انھوں نے دریافت کیا کہ: کلمہ شریف کا ذکر کرتے وقت کیا خیال کرنا چاہیے؟

فرمایا کہ: ''اصل اصول اس میں یہ ہے کہ ذکر میں اسم (اللہ کا نام) اور مسمّٰی (ذاتِ باری تعالیٰ) ایک ساتھ ذہن میں آئے، مگر یہ مبتدی کے لیے مشکل، بلکہ محال ہے۔ اس لیے کوئی تصور ساتھ بتایا جاتا ہے، تاکہ خیال اِدھر اُدھر دوڑنے کے بجائے ایک چیز پر جمع ہونے لگے۔ اس کے بعد پھر ایک چیز سے بھی ختم ہو کر مسمّٰی (یعنی ذاتِ باری تعالیٰ) میں جا لگے۔ یہ اللہ فضل فرمائے تو ہوتا ہے۔ اس لیے مختلف تصورات کیے جاتے ہیں۔....

ورنہ وہ ذاتِ پاک برتر از قیاس و گمان و وہم ہے۔ انسان بے چارہ اس کا نام لیتے وقت اس کا براہِ راست کیسے تصور کر سکتا ہے؟ اگر خیالات کو زیادہ روکے تو یہی کر سکتا ہے کہ وہ ایسی ذات ہے، جس کا تصور نہیں ہو سکتا۔ اور بس لیس کمثلہ شیء (11:42) (اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے)

(مجلس 22 محرم الحرام 1366ھ / 17 دسمبر 1946، بروز: منگل، مقام: ڈھڈیاں (سرگودھا)
(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص 141، طبع مکتبہ رشیدیہ، لاہور)

مجلسِ مشاورت

حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی (بورے والا)
حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر (چشتیاں)
حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی (لاہور)
حضرت مولانا محمد مختار حسن (نوشہرہ)
حضرت مولانا پروفیسر حسین احمد علوی (چشتیاں)
حضرت مولانا صاحبزادہ رشید احمد (ڈیرہ اسماعیل خاں)
محترم سید مطلوب علی زیدی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف (سعودی عرب)
محترم ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصومی (سکھر)
محترم حاجی محمد بلال بلوچ (قاضی احمد)
محترم ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ (سرگودھا)
محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی (کراچی)
محترم سید خالد ریاض بخاری (واہ کینٹ)
حضرت مولانا عبداللہ عابد سندھی (شکارپور)
حضرت مولانا قاری تاج افسر (اسلام آباد)
حضرت مولانا محمد ناصر عبدالعزیز (جھنگ)
حضرت مولانا قاضی محمد یوسف (حسن ابدال)
محترم قاری محمد ایاز جدون (مانسہرہ)

شعبہ مطبوعات
ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ رجسٹرڈ

مین کیمپس لاہور
رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
092-42-36307714 , 36369089 www.rahimia.org

کراچی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 9/A، سینٹر پوائنٹ سوسائٹی، بلاک نمبر 21
راشد منہاس روڈ، فیڈرل بی ایریا، کراچی
0092-21-36321616 , 36320707

سکھر کیمپس
فلیٹ نمبر 111، 1st فلور، رائل اپارٹمنٹ
ریس کورس روڈ، سکھر
0092-71-5615185

ملتان کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 30/A، سٹریٹ نمبر 2، خان کالونی
چونگی نمبر 7، ایل ایم کیو روڈ، ملتان
0092-61-6212021

سالانہ ممبرشپ کی رقم ''ناظم دفتر کے نام ارسال کریں، اپنا پتہ صاف اردو میں اور خوشخط لکھ کر بھیجیں۔ ● پرچہ ہر ماہ کی 3 اور 4 تاریخ کو ارسال کر دیا جاتا ہے۔
تین سال کی ممبرشپ کے لیے مبلغ 400 روپے ارسال کریں۔ ● **رحیمیہ** کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جا سکتا ہے۔

درسِ قرآن

تشریح: امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

قرآنی حکومت کا ایک اہم اصول

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝ (28:03)

ترجمہ: ''نہ بناویں مسلمان کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر، اور جو کوئی یہ کام کرے تو نہیں اس کو اللہ سے کوئی تعلق، مگر اس حالت میں کہ کرنا چاہو تم ان سے بچاؤ۔ اور اللہ تم کو ڈراتا ہے اپنے سے، اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

اسلام ایک ایسی جماعت تشکیل دیتا ہے، جس میں مسلمانوں کے سوا کوئی فرد داخل نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ اسلام نام ہے ایک جماعت کا، جو سوشل، مذہبی اور اقتصادی مکمل انقلاب پیدا کرتا ہے۔ اس جماعت کے ممبروں کے لیے لازم ہے کہ وہ اسلامی اصول پر مکمل طور پر عامل ہوں، ان میں سے جو اسلامی قوانین کی مخالفت کرے گا تو یہ جماعت اسے برداشت نہیں کرسکتی۔ اسے پوری سزا دے گی۔ یہی پارٹی برسرِ اقتدار ہوگی، اسی پارٹی سے مرکزی حکومت پیدا ہوگی۔ حکومت میں صرف ان لوگوں کو شریک کیا جائے گا، جن پر پورا اعتماد ہوگا۔ وہ کام کرنے میں اشتراک کرنے والے ہوں گے۔ ہر ایک اپنے کام کے لیے ذمہ دار ہوگا۔ اگر کوئی قصور کرے گا تو اسے پوری سزا دی جائے گی۔ یہ حکومت اللہ کے نام سے جاری ہے، اس لیے ہر ایک کو پوری ایمان داری سے کام کرنا ہوگا۔ ہر ایک بات کو نہایت دیانت داری سے سرانجام دینا ہوگا۔

مسلمانوں کو حکومت ملنے پر ضروری ہے کہ ان کے پاس حکومت کے راز بھی رہیں گے تو دشمنوں سے دوستی رکھنے سے لازماً وہ حکومت کے راز سے واقف ہوجائیں گے۔ اس کے بعد مسلمانوں کی بیخ کنی پر آمادہ ہوجائیں گے۔ اس لیے کافروں کی دوستی سے منع کیا گیا ہے۔ اَخلاقی معاملات میں جو دشمن نہیں، وہ دوست ہیں۔ اور جو دوست ہیں، وہ دشمن نہیں، مگر حکومت کے معاملات میں جو دوست نہیں، وہ دشمن ہیں، حتیٰ کہ جو غیر جانب دار ہے، وہ بھی دشمن ہے۔

اس مرکزی حکومت میں کوئی غیر مسلم عنصر داخل نہیں ہوسکتا۔ اس کے متعلق یہاں تک سختی روا رکھی گئی ہے کہ حجاز، جس میں مسلمانوں کی مرکزی طاقت تھی، یہاں سے تمام غیر مسلموں کا پورے طور پر اخراج کردیا گیا تھا۔ اس لیے کہ مرکزی طاقت میں کوئی غیر مسلم نہیں رہ سکتا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے سے بہت پہلے غیر مسلموں کو حجاز سے نکال دیا گیا تھا۔ فاروق اعظمؓ کے زمانے میں وراثت کے حساب کو طے کرنے کے لیے شام سے ایک عیسائی کو، جو علم ہندسہ میں ماہر تھا، بلایا گیا تھا، کہ اس کے علم سے فائدہ اٹھایا جاسکے، مگر حکومت میں وہ کسی قسم کا دخل نہیں دے سکتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں مصر، شام، عجم وغیرہ فتح ہو چکے تھے۔

اگر اسلام مغربی جمہوریت کی تعلیم دیتا تو ان علاقوں میں، جہاں یہود و نصاریٰ یعنی غیر مسلموں کا عنصر زیادہ تھا۔ حکومت میں کثرت رہتی، مگر اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ مرکزی طاقت یعنی مدینہ منورہ میں صرف مسلمان تھے اور مجلس شوریٰ میں صرف مسلمان ہی تھے، جنھیں یہاں تک آزادی تھی کہ خلیفہ پر خطبے کے وقت ایک عام عورت بھی اعتراض کرنے کا حق رکھتی تھی۔ ان کے سوا کسی اور قوم کو مرکزی طاقت کے عمال پر اعتراض کرنے کا حق نہیں تھا۔ غرض یہ مذہبی جماعت مرکزی طاقت میں کام کرتی ہے۔ اور اس میں صرف مسلمان ہی ہوتے ہیں۔

درسِ حدیث

تشریح: حضرت مولانا خواجہ عبدالحی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

حکمت اور عقل و شعور کا راستہ

عَنْ مَالِكٍ قَالَ: بَلَغَنِيْ أَنَّهٗ قِيْلَ لِلُقْمَانَ الْحَكِيْمِ مَا بَلَغَ بِكَ مَا نَرٰى، يَعْنِي الْفَضْلَ. قَالَ: صِدْقُ الْحَدِيْثِ وَ أَدَاءُ الْأَمَانَةِ وَ تَرْكُ مَا لَا يَعْنِيْنِيْ.''

''حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ: میرے پاس یہ خبر پہنچی ہے کہ لوگوں نے لقمان حکیم سے پوچھا: ''آپ کو یہ بزرگی، جو ہمیں نظر آرہی ہے، کیسے ملی؟'' کہا: ''سچ بولنے، امانت کے پورا کرنے اور بے قاعدہ اور فضول باتوں کو چھوڑنے سے۔''

(مشکوٰۃ شریف، کتاب الرقاق، الفصل الثالث)

لقمان حکیم دنیا کے مشہور عقل مندوں میں سے ہوئے ہیں۔ ان کے زمانے سے لے کر آج تک ہر زمانے کے لوگ لقمان حکیم کو بڑا آدمی اور سمجھ دار عالم مانتے چلے آئے ہیں۔ اس حدیث میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ لوگوں نے لقمان حکیم سے پوچھا کہ: لوگ آپ کا درجہ بڑا مانتے ہیں۔ یہ مقبولیت اور شہرت آپ کو کیسے حاصل ہوئی؟ انھوں نے جواب دیا:

1۔ میں نے ہمیشہ سچ بولا اور کبھی کسی واقعے کو توڑ مروڑ کر غلط طور پر پیش نہیں کیا۔

2۔ میرے پاس جو امانت رکھی گئی، وہ میں نے جوں کی توں ادا کردی۔

3۔ جو باتیں میرے کام کی نہ تھیں، ان سے میں الگ تھلگ رہا۔

لقمان حکیم نے کہا کہ: اب جو کچھ تم دنیا میں میری قدر دیکھتے ہو، انہی نیک عادتوں کی بدولت ہے۔ ان کے اس بیان سے ہمیں جو سبق لینا ہے، وہ یہ ہے کہ اگر کوئی بڑا بننا چاہتا ہو اور اس بات کا خواہش مند ہو کہ ہر جگہ اس کی تعظیم و توقیر کی جائے تو اُسے یہ تین خصلتیں اختیار کرلینی چاہئیں:

1۔ یہ کہ انسان ہمیشہ سچ بولے۔ یعنی جو واقعہ اُسے معلوم ہے، وہ ٹھیک ٹھیک بیان کردے۔ کسی کی بے جا رعایت سے اسے بدلے نہیں۔ غلط اور جھوٹی گواہی دینے سے یقیناً کسی نہ کسی کی حق تلفی ہوگی۔ یا اسے نقصان پہنچے گا۔ کسی کی یہ حق تلفی یا نقصان اسے اپنے سر نہ لینا چاہیے، بلکہ اصل واقعہ بیان کرکے نتائج کو اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔

2۔ اگر کوئی کام کسی کو کرنے کے لیے دیا جائے، اس کے لیے لازم ہے کہ اسے بالکل طے شدہ شرطوں کے مطابق کرے۔ ایسے ہی اگر کوئی چیز کسی کے پاس رکھوائی جائے تو اس کو وقت پر جوں کی توں ادا کردے۔ کوئی مشورہ لے تو صحیح مشورہ دے۔ کوئی راز دار بنائے تو اس کی راز داری کو اپنا فرض سمجھے۔ یہ سب امانت داری کی صورتیں ہیں۔

3۔ دنیا کے تجربہ کار اور عقل مند عالموں نے جن چیزوں کو آدمی کے لیے بے کار اور عبث قرار دیا ہے، انھیں بالکل چھوڑ دے۔ اور کام کی باتوں میں وقت صرف کرے۔ عقل مندوں کا اتفاق ہے کہ اللہ کے رسولؐ سے زیادہ اس بات سے کوئی واقف نہیں کہ آدمی کے لیے کام کی باتیں کیا ہیں اور بے کار باتیں کون سی ہیں۔ اس لیے آنکھ بند کرکے ان کے کہنے پر چلنا چاہیے۔

انسانی معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو باتیں کہیں، ان پر عمل کرنے کی جدوجہد اور کوشش کرنی چاہیے۔

اداریہ

دینی اساس پر غیر فرقہ وارانہ نظام کی تشکیل نو

ہر گزرتے وقت کے ساتھ یہ حقیقت مزید عیاں ہوتی جا رہی ہے کہ ہمارے ملک پر مسلط نظام، اس ملک کے کروڑوں انسانوں کے حقوق کے تحفظ، امن وسلامتی اور عدل وانصاف قائم کرنے سے قاصر ہوتا جا رہا ہے۔ نظام کی فرسودگی، اور اس کا انسانیت دشمن ہونا واضح تر ہوتا جا رہا ہے۔ سرمایہ دارانہ جبر نے اس کی سفاکیت اور تباہ کاریوں کو کئی گنا بڑھا دیا ہے۔ اور عالمی سامراجی سازشوں کے نتیجے میں ملک میں فرقہ وارانہ کشیدگی، عدم برداشت، خیالات کے اظہار پر قتل وغارت گری اور کفر بازی کا ماحول بڑھتا جا رہا ہے۔ مذہب کو لڑائی جھگڑے، سیاسی قتل و غارت کے لیے استعمال کرنے کا حربہ اختیار کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح مذہب کے نمائندے اس کی سچی تعلیمات کے فروغ کے بجائے عالمی طاقتوں کے اشاروں پر کبھی اتحادی اور کبھی باہم برسرِ پیکار ہو جاتے ہیں۔ اور سرمایہ دار اور جاگیر دار نیز حکمران طبقات اپنے مفادات کے لیے انھیں استعمال کرتے اور گروہی وطبقاتی فوائد حاصل کرتے ہیں۔ ایسے میں ملکی نظام انسانیت دشمن قوتوں کا آلہ کار بن کر ملک کے کروڑوں لوگوں کی جان، مال اور ان کی امن وسلامتی سے کھلواڑ کر رہا ہے۔

ایسے حالات میں ضرورت تو اس بات کی تھی کہ ملک کے باشعور اور سنجیدہ لوگ دین اسلام کی لازوال عالم گیر تعلیمات کی روشنی میں انسانی اقدار کی حفاظت کرنے والے نظام کے قیام کے لیے غور وفکر کرتے۔ اور انسانیت دشمن نظام کو ختم کرنے کے لیے عملی تدابیر اختیار کرتے۔ دین اسلام کی سچی تعلیمات فرقہ وارانہ ہم آہنگی، رواداری اور برداشت کا حوصلہ پیدا کرتی ہیں۔ غیر انسانی بنیادوں پر کسی کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتیں۔ انسان دشمن رویوں کا خاتمہ کرتی ہیں۔ اور بلا تفریق رنگ، نسل، مذہب، عدل وانصاف کا سیاسی اور معاشی نظام تشکیل دینے کی جانب رہنمائی کرتی ہیں۔ معاشروں میں روا رکھے جانے والے مظالم کا خاتمہ کرتی ہیں۔ انسانی مسائل، انسانی بنیادوں پر حل کرنے کی رہنمائی دیتی ہیں۔ اسلام کی تعلیمات امن، سلامتی، عدل وانصاف، سوسائٹی کی اجتماعی ترقی اور مجموعی فلاح و بہبود کی ضامن ہوتی ہیں۔ آج ملک کے تمام باشعور اور دین اسلام سے سچی وابستگی رکھنے والے لوگوں کو ان اقدار پر نظام تشکیل دینے کے لیے سر جوڑ کر بیٹھنا چاہیے۔

جس طرح دین اسلام کی انسانیت دوست سچی تعلیمات سے روگردانی کرنا غلط طرزِ عمل ہے، ایسے ہی اسلام کی تعلیمات کو رجعت پسندی کے لیے استعمال کرنا بڑا جرم ہے۔ ہمارے معاشرے میں موجود دونوں طرح کی انتہا پسندی کو ختم کرنا ضروری ہے۔ نام نہاد لبرل لوگ دین اسلام کی تعلیمات سے دشمنی کا راستہ ترک کر دیں۔ اور نام نہاد اسلام پسند لوگ مذہب کے سامراجی استعمال اور رجعت پسندی کے راستے کو خیر باد کہہ دیں۔ اور باقاعدہ طور پر دین اسلام کی سچی تعلیمات کے ذریعے انسانی مسائل کے حل کا بہترین نظام قائم کرنے کے لیے آگے بڑھیں۔ ورنہ قتل وغارت گری اور انتہا پسندی کا راستہ ملکی تباہی وبربادی کا سبب بھی ہے۔ اور دین دشمنی کے نتیجے میں دنیاوی عذاب اور آخرت کے عذاب میں مبتلا کرنے کا باعث بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عقل وشعور کے ساتھ اپنے ملک کے لیے دین اسلام کی انسان دوست تعلیمات کی روشنی میں غیر فرقہ وارانہ بنیادوں پر نظام تشکیل دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ (مدیر اعلیٰ)

تکمیل ایمان کے معاشرتی تقاضے

پروفیسر حافظ محمد طیب ندیم

دنیا کے مشہور مذاہب اور مہذب فلسفوں پر مبنی مختلف معاشروں کے قوانین کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ معاشرے کا ایک ایک فرد متعین دائرے میں رہ کر اپنے اپنے حقوق وفرائض کی انجام دہی کرے تاکہ انسانی معاشرہ ہمہ جہت ترقی کر سکے۔ اس ہمہ جہت ترقی کا دارومدار اس معاشرے کے فکر وفلسفے پر مبنی ہوتا ہے۔ اگر اس کا فکر وفلسفہ اجتماعی مفاد کا حامل ہے تو اس کے ثمرات ونتائج بھی پورے معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے ہوں گے۔ اگر اس کا فکر وفلسفہ چند افراد کے ذاتی مفادات کا حامل ہو تو اس کے نتائج بھی اس معاشرے میں ظلم، بدامنی، بھوک، استحصال اور انتہا پسندی کی صورت میں نکلیں گے۔

ہم مسلمان اسی فکر وفلسفے کو اپنی مذہبی زبان میں ''ایمان'' کہتے ہیں۔ ایمان کی حقیقت اور اس کے جامع فکر وفلسفے کو ایک حدیث مبارک نے بڑے مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے:

''عن عمار بن یاسر، قال النبیؐ: ثلاث من جمعهن فقد جمع الإیمان: (۱) الإنصاف من نفسک، (۲) بذل السلام للعالم، (۳) الإنفاق من الأقتار.''

''حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: ''جس مسلمان نے یہ تین باتیں اپنے اندر جمع کر لیں، تو اس نے اپنے اندر کامل ایمان جمع کر لیا۔ (1) تیرے نفس کے ہر ہر پہلو سے عدل وانصاف کا ظاہر ہونا۔ (2) عالم انسانیت کے لیے امن وسلامتی کا نظام قائم کرنے کے لیے جدوجہد اور کوشش کرنا۔ (3) فقر وغربت کے باوجود انسانیت کے مفاد کے لیے خرچ کرنا۔'' ایمان کی تکمیل اور ہمہ جہت ترقی اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک مندرجہ بالا تین معاشرتی تقاضے پورے نہ کیے جائیں۔ ایمان کی تکمیل وترقی کے یہ تینوں معاشرتی تقاضے قرآن وحدیث میں مختلف پیرایوں میں متنوع انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔

تکمیل ایمان کے یہ معاشرتی تقاضے مسلمانوں کو خصوصی طور پر اور پوری انسانیت کو عمومی طور پر برملا یہ دعوت دیتے ہیں کہ اسلام محض ایک ایسی فکر کا نام نہیں ہے، جس کا تعلق معاشرے کے اعمال سے نہ ہو۔ اور نہ محض ایسے اعمال کا نام ہے، جس کے پیچھے انسان دوستی پر مبنی فکر وفلسفہ کارفرما نہ ہو۔ چناں چہ اسی دعوتِ فکر وعمل کو آگے بڑھاتے ہوئے اسی موضوع پر قرآن مجید سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں تاکہ موجودہ فرسودہ اور ایمان کے تقاضوں سے غیر ہم آہنگ معاشرے کی جگہ امن وسلامتی کے معاشرے کے لیے تدبیر اور سامان مہیا کیا جا سکے۔

1۔ معاشرے میں عدل وانصاف کا قیام: مسلمان جماعت کا بنیادی نظریہ معاشرے میں عدل وانصاف کا سسٹم قائم کرنا ہے۔ اسی کو قرآن پاک نے تمام انبیاؑ کی بعثت کا مقصد قرار دیا ہے: (ترجمہ) ''البتہ تحقیق ہم نے تمام رسولوں کو نشانیاں دے کر بھیجا۔ اور ان پر کتاب اور میزان نازل کیا تاکہ وہ انسانیت میں عدل و انصاف کا سسٹم قائم کریں۔'' (57:25) معاشرے میں عدل کا قیام اسلام کے فکر وفلسفے کا بنیادی نظریہ ہے۔ اور اس نظریے پر قائم نظام پوری انسانیت کی خیر خواہی پر مبنی ہوتا ہے۔ اس میں کسی سطح پر بھی طبقاتی مفاد اور تقسیم کی گنجائش نہیں ہے۔ خواہ وہ تقسیم مذہب وفرقے کی بنیاد پر ہو یا وہ رنگ ونسل اور سرحدوں کی بنیاد پر ہو۔ عدل کا دشمن ظلم ہے۔ ذاتی اور اجتماعی طور پر ظلم کرنا یا ظلم کے معاشرے کو قبول کرنا، ایمان اور انبیا کی بعثت کے مقصد کے منافی ہے۔ بقیہ: صفحہ 06

خطبہ جمعۃ المبارک

سماجی تشکیل کے لیے قرآنی تعلیمات کی اہمیت

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد صاحب

(مؤرخہ 03 دسمبر 2010ء، بمقام ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ، لاہور) ضبط وتحریر: محمد خرم شہزاد

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم، امّا بعد: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (208:2)

معزز دوستو! کتاب مقدس قرآن حکیم مسلمان جماعت کی تعلیم وتربیت اور اس کی دنیوی و اُخروی کامیابی کے لیے بنیادی رہنمائی دیتی ہے۔ اس میں بیان کیے گئے احکام وضوابط اور قوانین انسانی معاشروں کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے ہیں۔ اس لیے ہر دور کے مسلمانوں کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ قرآن حکیم کے بنیادی احکامات کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تشکیل کریں۔ اور اس بات کی پوری کوشش کریں کہ اللہ کے احکامات، اس کے قوانین اور ضابطوں کی روشنی میں اپنے اَخلاق، اپنے رویے، اپنی سیرت اور اپنے انفرادی اور اجتماعی کردار کو متعین کریں۔

دنیا کی ہر قوم بغیر کسی نظریے اور سوچ کے ترقی نہیں کرسکتی۔ ہر قوم اپنی اجتماعی شناخت تبھی قائم کرتی ہے، جب وہ کسی نہ کسی نظریے اور سکول آف تھاٹ سے وابستہ ہو۔ خواہ وہ الٰہی مذاہب ہوں یا انسانوں کے سوچے ہوئے نظریات اور نظام ہائے حیات ہوں۔ انسانی معاشرے بنیادی رویوں اور نظریات وافکار کا انکار کرکے زندگی بسر نہیں کرتے۔ بلکہ اپنے لیے کچھ اقدار، افکار اور نظریات متعین کرتے ہیں۔ مسلمان جماعت، جس نے اپنی زندگی کی تعمیر و تشکیل کے لیے دین اسلام کا نظریہ اپنایا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے نظریے کا یقین واِذعان، اس کے بارے میں صحیح فکر وشعور ان کی زندگی کے اندر پیدا ہو۔

قومیں جب اپنی سماجی تشکیل کے لیے نظریات وافکار کا تعین کرتی ہیں تو ان پر لازمی ہوتا ہے کہ وہ اپنے نظریات اور افکار کا مکمل یقین اور ادراک حاصل کریں۔ اور اس کا فہم وشعور پیدا کریں۔ اور انہی نظریات کی اساس پر اپنے اجتماعی ادارے تشکیل دیتی ہیں، نظام مملکت بناتی ہیں، اپنی جماعتی اور نظریاتی زندگی کی تعمیر وتشکیل کرتی ہیں، اور اسی کے مطابق آگے بڑھنے کے لیے راستے تلاش کرتی ہیں۔ مسلمان معاشروں میں جب یہ بات طے ہوچکی کہ ہم نے دین اسلام قبول کرکے نبی کو آخری نبی مان لیا اور اللہ کی کتاب کو حتمی قاعدے اور ضابطے کے طور پر تسلیم کرکے، اپنے نظریے، اپنے عقیدے اور اپنی سوچ وفکر کا واضح اور دوٹوک علان کردیا۔ اب اس بات کی ضرورت ہے کہ ہمارے اندر اس نظریے کا پختہ یقین پیدا ہو۔ اور اس نظریے کے مطابق اَخلاق اور رویوں، صلاحیتوں کا اظہار ہمارے معاشرے میں موجود ہونا چاہیے۔

آج بڑی بدقسمتی یہی ہے کہ ہم اسلام کا نام لیتے ہیں۔ اس کا نعرہ لگاتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ رسمی وابستگی کا اظہار کرتے ہیں، لیکن اس کے نظریے کی جامعیت اور اس نظریے کے اثرات، جو ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں پڑنے چاہئیں، اس کے نتیجے میں جو بحیثیت مجموعی ہمارا معاشرہ کامیابی اور ترقی کی طرف گامزن ہونا چاہیے، وہ نہیں ہے۔ ہم مسلمان ہیں، ہمارا ایمان سچائی پر ہے، لیکن ہمارا معاشرہ سچائی سے خالی ہے۔ ہم مسلمان ہیں، اور ہمارا ایمان عدل پر ہے، اور ہمارا معاشرہ عدل وانصاف کے نظام سے خالی ہے۔ ہم بحیثیت مسلمان اعلان کرتے ہیں کہ جھوٹ انسانیت کے لیے ایک بہت بڑا جرم ہے، لیکن ہمارا معاشرہ اس جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ناپ تول میں کمی ناجائز ہے، قرآن نے واضح طور پر تمام انسانوں کے لیے، خواہ وہ کسی عقیدے کے یا کسی مذہب کے ہوں، کہا کہ: وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ (1:83) کم تولنے والے کے لیے تباہی ہے۔ اب ایک طرف اس آیت پر ایمان ہے اور اس کا عملی اظہار ہمارے معاشرے میں یہ ہے کہ وہی کم تولنے اور کم ناپنے کا رواج ہمارے معاشرے کا حصہ بن چکا ہے۔ یعنی جس بات پر ہمارا ایمان ہے، جو چیز نظریے کے طور پر ہمارے سامنے ہے، اس نظریے کا ہمارے معاشرے میں اظہار نہیں۔ اس کا عملی نظام موجود نہیں۔

قرآن نے ہمیں حکم دیا کہ کوئی معاشرہ اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتا، جب تک اس میں اجتماعی سطح پر مشاورت کا عمل دخل نہ ہو۔ خود اللہ نے رسول اللہ کو حکم دیا: شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (159:3) حکومتی معاملات میں بامعنیٰ مشاورت اور حقیقی جمہوریت کو پیش نظر رکھا جائے، جب کہ ہمارے معاشرے آمریتوں پر مبنی ہیں۔ ان میں مشاورت اور اجتماعیت کا عمل مفقود ہے۔ اب ایمان ایک نظریے پر ہے، اور سوسائٹی میں اس نظریے کے مخالف نظام، مخالف سوچ اور مخالف عملی کردار ہے۔ قرآن نے حکم دیا کہ معاشرے میں طبقاتی نظام نہیں ہونا چاہیے۔ معاشرے کے تمام لوگ، ان کی معاشی کفالت کا عدل وانصاف پر مبنی نظام قائم رہنا چاہیے۔ قرآن نے کہا: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (90:16) اللہ تمہیں حکم دیتا ہے عدل و انصاف قائم کیا جائے۔ اب عدل وانصاف پر ہمارا ایمان ہے۔ معاشی انصاف کو ہم قرآن کے نظریے کے طور پر بظاہر تسلیم کرتے ہیں، لیکن ہماری اجتماعی زندگی اس کے منافی ہے، ہمارا معاشرہ طبقاتی ہے۔ امیر سے امیر تر طبقے موجود ہیں۔ اور غریب سے غریب تر طبقات ہمارے معاشرے کا حصہ ہیں۔ لوگ اپنے بنیادی انسانی حقوق سے محروم ہیں۔ اور دوسری طرف مقتدر اور حکمران طبقات اپنے گروہی مفادات اور ذاتی لوٹ کھسوٹ کے لیے تمام انسانوں پر اپنی آمریت مسلط کیے ہوئے ہے۔

یہ تضاد ہمارے معاشرے میں موجود ہے۔ کہ ایمان ایک نظریے پر ہے اور نظام اور عملی کردار نظریے سے متصادم ہے۔ دنیا میں جس معاشرے میں بھی اس قسم کی منافقت ہوتی ہے، وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ وہی معاشرے کامیاب ہوتے ہیں، جو اپنے لیے نظریہ طے کرلیں۔ جو اپنے لیے عہد کرلیں۔ جو مقصدِ زندگی طے کرلیا جائے تو اسی کے مطابق کام کیا جائے۔ بلکہ دنیا میں کوئی جماعت کامیاب نہیں ہوسکتی۔ کوئی فرد کامیاب نہیں ہوسکتا، جب تک وہ اپنے لیے جو لائحہ عمل طے کرچکا ہو، اس میں مخلص نہ ہو۔ جو جماعت اپنے نظریے سے منحرف ہوجائے، نظریے کے بنیادی امور اس کے پیش نظر نہ رہیں، اور وہ اسی سے بغاوت کرنے لگ جائے، وہ اپنے ہی دائرے کے اندر اپنے نظریے کے مطابق صلاحیتوں کے اظہار سے قاصر ہو، وہ دنیا میں کیا عملی نتائج پیدا کرے گی؟

مسلمان، جو دنیا میں اس لیے آیا کہ وہ دنیا بھر کے انسانی معاشروں میں بلاتفریق رنگ، نسل مذہب انسانی بنیادوں پر خدمت کرنے کی صلاحیت کا اہل ہو، اس کے اندر یہ صلاحیت موجود ہو کہ وہ انسانوں کی بھوک مٹائے، وہ انسانوں کے معاشی مسائل حل کرے، وہ ان کے لیے امن کی علامت بن کر کردار ادا کرے۔ وہ انسانیت کی حفاظت کے لیے کردار ادا کرے۔ مسلمانوں کی اجتماعیت دراصل انسانیت کے لیے ہے۔ قرآن نے خود کہا: لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ

عَلَى النَّاسِ (143:2) ہم نے تمھیں انسانیت کا نگران بنا کر بھیجا ہے۔ اگر نگران خود اپنی انسانیت کو محفوظ نہ کر سکیں، خود چوروں اور ڈاکوؤں کے ساتھ شامل ہو جائیں، خود انسانیت دشمن کردار ادا کریں۔ خود وہ اعلیٰ اَخلاق سے محروم ہوں، تو ایسے انسان کو کون چوکیدار رکھے گا۔ ایسی اجتماعی طاقت کو کون سا معاشرہ قبول کرے گا۔ مسلمان، جو دنیا میں امن کی علامت تھا، آج دہشت کی علامت ہے۔ مسلمان جو دنیا میں انسانیت کی بھوک مٹانے کے لیے آیا تھا، آج دنیا بھر کے لٹیرے حکمران اور بادشاہ ساٹھ مسلمان ملکوں میں بھوک بانٹ رہے ہیں۔ وہ عالمی سرمایہ داری نظام کے آلہ کار بن کر دنیا میں لوٹ کھسوٹ کے لیے کردار ادا کر رہے ہیں۔ وہ مسلمان، جسے دنیا میں انسانیت کو سرمایہ داری سے نجات دلانے کے لیے تیار ہونا تھا، آج وہ اسی سرمایہ داری کا آلہ کار بن کر کردار ادا کرے، تو ایسا مسلمان امن کی علامت ہوگا یا دہشت کی؟ وہ انسانیت کی خدمت کی علامت ہوگا، یا سامراجی قوتوں اور سرمایہ داروں کا آلہ کار؟

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ مسلمان جب ایک نظریہ رکھتا ہے، تو اسے اس نظریے کے مطابق اپنے اندر مہارتیں، صلاحیتیں، اس کے تقاضوں کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تعمیر و تشکیل کرنی ہے۔ اس کے لیے عملی کردار ادا کرنا ہے۔ اس کے سامنے نبیؐ کی سنت، اور صحابہؓ کی اجتماعیت کا ایک واضح اسوہ ہونا چاہیے۔ صحابہؓ کی وہ انقلابی جماعت، جس نے مختصر مدت میں دنیا میں انقلاب برپا کر کے تمام انسانیت کے مسائل حل کیے۔ دنیا میں امن دیا۔ ان کی معاشی بھوک مٹائی۔ ان کو دنیا میں عزت دی۔ صحابہؓ کی انقلابی جماعت ایک معیار، ایک اسوۂ حسنہ ہے، کہ انھوں نے اپنی اجتماعی طاقت کی مدد سے دنیا سے ظلم، بدامنی اور انسانیت کی غربت ختم کی۔ بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب انسانیت کی بقا کے لیے صحابہؓ نے اپنی جانیں قربان کیں۔ مظلوموں کی مدد کے لیے ظالموں سے مقابلہ کیا۔

صحابہؓ کی یہ اجتماعیت جس ماحول میں تربیت پا کر آگے بڑھی، ایمان کا جو تقاضا بتلایا گیا، وہ یہ ہے کہ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (65:4) خدا کی قسم اس وقت تک کوئی آدمی مسلمان نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اپنے اختلافی معاملات کا آپؐ سے فیصلہ نہ کروالے۔ اگر ان کے درمیان لڑائی یا جھگڑا ہو جائے۔ اس جھگڑے میں جب تک کہ آپؐ سے یہ فیصلہ نہ کروائے، آپؐ کے اَخلاق، کردار، سیرت، جماعت کے رویوں اور سوچ کو اپنے پیش نظر نہ رکھے، اس وقت تک یہ مؤمن نہیں۔ اور پھر نہ صرف یہ کہا گیا کہ ایسے اختلافی معاملات میں رسولؐ سے فیصلہ کروایا جائے، آپؐ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھا جائے، آپؐ کی جماعت کے کردار کو سامنے رکھا جائے، بلکہ یہاں تک کہا گیا کہ جو فیصلہ رسولؐ اللہ کر دیں، اگر یہ فیصلہ اپنی طبیعت، اپنی خواہش اور ارادوں کے خلاف ہے، تو دل میں کوئی تنگی اور تکلیف محسوس نہ کرے۔ اس کو صدق دل کے ساتھ تسلیم کرنا، ڈسپلن کو برقرار رکھتے ہوئے اس فیصلے کو ماننا، ایمان کی شرائط میں سے قرار دیا گیا۔

مسلمان ہونے کی پہلی شرط یہ ہے کہ رسول اللہؐ کو حَکم اور فیصل مانا جائے۔ اپنا فیصلہ ان سے کرایا جائے۔ آپؐ کے رویے، آپؐ کی سوچ، آپؐ کے کردار اور آپؐ کی جماعت کے کردار کو سامنے رکھ کر اپنے مسائل کے حل کرنے کے لیے اسے بنیاد بنائے۔ اور پھر جب فیصلہ آجائے۔ واضح اور دوٹوک رائے سامنے آجائے، ''مِمَّا قَضَيْتَ'' (آپ جو فیصلہ فرما دیں) تو ''لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا'' (تو اپنے سینوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں) اس کو خوش دلی اور رضامندی کے ساتھ، دل کی گہرائیوں کے ساتھ، اس فیصلے کو، اس حکم کو، اس طریقۂ کار کو تسلیم کریں۔ اور تیسری بات یہ فرمائی کہ: ''وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا'' اور وہ پکے مسلمان بنیں۔ فرماں برداری اختیار کریں۔ اور جسمانی طور پر بھی اس کو قبول کریں۔ یعنی دل، دماغ، جسم، عمل، فعل، ہر کردار میں وہ رسول اللہؐ کے فیصلے کو، ان کی اس اجتماعیت کو، ان کے قائم کیے ہوئے قانون اور ضابطے کو دل و جان سے تسلیم کریں گے۔ تو یہ ایمان والے ہیں۔

قرآن دوٹوک بنیادی قاعدے اور ضابطے بیان کرتا ہے۔ چناں چہ اس نے یہ اعلان کیا ہے کہ: ''فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ'' (29:18) جس کا دل چاہے، مسلمان ہو جائے، جس کا جی چاہے کافر ہو جائے۔ یہاں زبردستی کا معاملہ نہیں، بلکہ یہ دعوت کا معاملہ ہے۔ یہ قانون ہے یہ ضابطہ ہے، اگر مسلمان بننا ہے تو مسلمان بننے کی یہ شرائط، یہ لوازمات، یہ تقاضے اور یہ ذمہ داریاں ہیں۔ ان کو ماننا ہوگا۔ اگر یہ ذمہ داریاں قبول نہیں کرنی، یہ ایمان قبول نہیں کرنا، یہ عدل و انصاف کا نظریہ نہیں لینا، یہ انسانیت کے لیے امن کی سوچ نہیں لینی، یہ انسانیت کی خدمت کا بنیادی طریقہ کار، جو دین اسلام نے طے کیا ہے، وہ قبول نہیں کرنا، اس کے ذہن میں اپنی کسی دماغی اکساہٹ کی بنیاد پر نظریات موجود ہیں تو قرآن نے کہا: جس کا جی چاہے کافر ہو جائے۔ لیکن ایک بات یاد رکھو: ''إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا'' جن لوگوں نے کفر اور ظلم کا راستہ اختیار کیا، ان کے لیے ہم نے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ ہم نے ان کے لیے ایک ایسی آگ بنائی ہوئی ہے کہ اس کے چاروں طرف بڑی بڑی دیواریں ہیں، جن سے وہ نکل نہیں سکتا۔ اور جہنم میں جانے کے بعد ان کی پکار نہیں سنی جائے گی۔

قرآن حکیم نے ایمان کے بنیادی تقاضے اور ذمہ داریاں واضح کر دیے۔ کہ مسلمان جماعت کے لیے لازمی ہے کہ وہ اللہ، رسول اللہؐ اور ان کی تیار کردہ صحابہؓ کی اجتماعیت کو مانے۔ اس جماعت نے دنیا میں جو بین الاقوامی نظام قائم کیا، انسانیت کی خدمت کے جو معیارات قائم کیے، وہ معیارات آخری اور حتمی ہیں۔ اب قیامت تک جو آدمی بھی مسلمان بننا چاہتا ہے، اس کے لیے یہ دائرۂ کار ہے۔ اسے اللہ کے حکم کو آخری حکم ماننا ہے۔ اسے رسول اللہؐ کے حکم کو قطعی طور پر تسلیم کرنا ہے۔ اسے رسول اللہؐ کی تیار کردہ جماعتِ صحابہؓ اور اس جماعتِ صحابہؓ کے تسلسل میں ہر دور کی دین کے نظریے پر عمل کرنے والی تجدیدی اجتماعیت کو ماننا ہے۔ اسے اپنے دور کے مجددین کی اجتماعیت کو تسلیم کرنا ہوگا۔

قرآن نے کہا: اٰمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ (13:2) لوگو ایمان لاؤ، جیسے صحابہؓ ایمان لائے!۔ ان جیسا ایمان ہوگا، تو اس کا اعتبار ہوگا، اگر وہ صحابہ والا ایمان نہیں ہے، ویسی اجتماعیت نہیں ہے، ان جیسا انسانیت کی خدمت کا جذبہ نہیں ہے، ان جیسا انسانیت کے مسائل کے حل کرنے کا طریقہ کار نہیں۔ ان کے جیسا بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب کل انسانیت کے فائدے کا عملی سیاسی، معاشی، سماجی نظام نہیں ہے، تو یاد رکھو! یہ ایمان نہیں، بلکہ ایمان کی محض رسم ہے۔

ایسا ہی ہے، جیسے محض زبان سے ایمان کہہ دیا جائے، لیکن اصل میں وہ ایمان نہیں۔ دل کی گہرائیوں میں ایمان اسی وقت راسخ ہوگا، کہ جب اس ایمان کے تقاضے سے اللہ کی وحدانیت کا اقرار اور کل انسانیت کی خدمت کا عزم اور ارادہ ان کے دل و دماغ میں پیدا ہو۔ وہ دنیا میں دہشت کی علامت نہ ہو، بلکہ امن کی علامت ہو۔ وہ دنیا میں بھوک پیدا کرنے والا نہ ہو، بلکہ بھوک مٹانے والا ہو۔ وہ دنیا میں انسانی سماج کو ترقی کے اعلیٰ معیار پر پہنچانے والا ہو، نہ کہ سماجی ڈھانچے توڑ پھوڑ کر تباہ و برباد کرنے والا ہو۔ وہ تہذیب کو ترقی دینے کے لیے کردار ادا کرے،

نہ کہ انسانیت نے جو تہذیب، قوانین اور ضابطے دریافت کیے ہیں، ان کو توڑ پھوڑ کر جنگل کا معاشرہ قائم کرنے والا ہو۔ ایمانیات کے لازمی تقاضوں میں یہ بنیادی ذمہ داریاں ہیں، جو ایک مسلمان جماعت پر لازم ہوتی ہیں۔ اس کے ایمان کا لازمی تقاضا ہے کہ وہ ان بنیادی باتوں کو تسلیم کرے۔

آج یہ بنیادی باتیں ہمارے ذہنوں سے نکل گئیں۔ نماز ہے، تو رسمی۔ حج ہے، تو رسمی۔ روزہ ہے، تو رسمی۔ اسلام کا نعرہ ہے، تو رسمی۔ اس کا عملی اظہار ہماری زندگی میں نہیں۔ اجتماعیت کا بنیادی شعور ہمارے دائرے سے خارج ہے۔ انفرادیت کا مرض روگ کے طور پر ہمارے معاشرے کا حصہ بن چکا ہے۔ فرد اپنے ذاتی مفاد کے لیے تو کردار ادا کرتا ہے، لیکن معاشرے کی اجتماعیت کو کیسے برقرار رکھا جائے؟ اس اجتماعیت کے کیا تقاضے ہیں؟ اس کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ ایمان اجتماعیت سکھلاتا ہے۔ نظم و نسق، تہذیب اور سلیقہ سکھاتا ہے۔ قانون اور ضابطے کی پابندی سکھلاتا ہے۔ دنیا میں انسانی مسائل کے حل کرنے کا طریقہ سکھلاتا ہے۔ بھئی! سب سے پہلی جماعت نے دنیا کے لیے یہ سب کچھ کیا۔ صحابہؓ کی اولوالعزم اجتماعیت نے اور قرآن نے مسلمان جماعت سے کہا کہ: تمہارے ایمان کا لازمی نتیجہ ایسا ہونا چاہیے۔ آپ دیکھیے کہ ایسی اجتماعیت دراصل کردار ادا کرتی ہے۔ آج ہم نے اسلام اور ایمان کو رسم بنا کر اس کے عملی تقاضوں سے روگردانی اختیار کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے سامنے اجتماعی شعور نہ ہونے سے دنیا کی ذلت اور رسوائی ہے۔ اور اگر دنیا میں ہمارے یہ عملی نتائج ہیں، تو کیا خیال ہے کہ آخرت میں جنت ہمارے انتظار میں ہے یا جہنم ہمارے انتظار میں ہے؟ جھوٹ کا معاشرہ موجود ہو، ظلم کا معاشرہ موجود ہو، دہشت کا معاشرہ موجود ہو، بداَخلاقی کا معاشرہ موجود ہو، تو ان کے لیے جہنم ہے یا جنت ہے؟

سوچنے کی بات یہ ہے کہ دین اسلام کے بنیادی نظریے کے ہماری زندگی پر اثرات کیا ہیں؟ ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی آیا اس ایمان کے اظہار کے طور پر ہے یا اس ایمان کے نظریے سے قطعاً متصادم اور مخالف ہے؟ اور اگر اپنے نظریے سے متصادم عمل کر رہے ہیں تو نہ صرف اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں، بلکہ اپنے معاشرے کو بھی۔ قرآن یہ کہتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں، جو نہ صرف اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں، بلکہ اپنے خیال کے مطابق یہ اللہ کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں: يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ (9:2) حال آں کہ اللہ کہتا ہے کہ یہ اللہ کو کیا دھوکہ دیں گے؟ یہ تو اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ اپنی تباہی اور بربادی کر رہے ہیں۔ تو آج ہمیں اللہ کو دھوکہ دینے سے باز آنا چاہیے۔

ہمیں اس بات کا عزم کرنا چاہیے کہ جس ایمان، جس اسلام، جس دین کی ہم بنیادی طور پر بات کرتے ہیں، جس نظریے سے وابستہ ہیں، اس کے اثرات ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کے اندر ظاہر ہوں۔ اس کا واضح اظہار اللہ سے سچے تعلق اور انسانیت کی خدمت کے عالم گیر نظام کی شکل میں ہونا چاہیے۔ اور انسانیت کی خدمت کے عالمی نظام کے قائم کرنے کی جو صلاحیتیں، جو ضرورتیں، جو تقاضے، جو قوانین، جو احکامات لازمی اور ضروری ہیں، وہ ہماری زندگی کا حصہ بننے چاہئیں۔ ہمارے اَخلاق، ہمارا کردار، ہماری سیرت، ہماری عملی زندگی، ان کے مطابق ہے، تو دنیا میں کام یابی ہے۔ اور یہی دنیا کی کام یابی ہی دراصل آخرت کی کام یابی کا ذریعہ ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بقیہ: تکمیل ایمان کے معاشرتی تقاضے

ظالم اور طاغوتی سسٹم کی نشان دہی کرتے ہوئے جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کے لیے لائحہ عمل تیار کرنا، عدل کے قیام کی طرف پہلا قدم ہے۔ ورنہ ظلم کے خلاف اُٹھنے والی بہت سی نام نہاد جماعتیں اپنے اصل راستے سے ہٹا دی جاتی ہیں۔ اور بیچارے کارکنوں کو اس کا شعور تک نہیں ہوتا کہ وہ منزلِ مقصود کے قریب ہوتے جا رہے ہیں یا کوسوں دور۔ مسلم معاشروں میں وہ کیسے خود ساختہ رہنما ہیں، جو ایک طرف عدل و انصاف کے نظام کو صاف و شفاف بنانے کے دعوے کرتے ہیں اور دوسری طرف اسی طاغوتی سسٹم کے آقاؤں کی گود میں بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ منافقت اسلام کے عالم گیر فکر و فلسفے کے منافی ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: (ترجمہ) ''البتہ تحقیق ہم نے ہر قوم میں رسولوں کو بھیجا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور طاغوت سے دور رہیں۔'' (16:36)

2۔ عالم انسانیت کے لیے امن و سلامتی کا نظام قائم کرنے کے لیے جدوجہد کرنا: ایمان کی تکمیل کا دوسرا معاشرتی تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان جماعت امن و سلامتی کا نظام قائم کرے۔ اور یہ نظام پوری انسانیت کے امن و سلامتی کا علم بردار ہو۔ امن کا دشمن خوف ہے۔ مسلمان جماعت معاشرے میں ایسا سیاسی نظام قائم کرتی ہے کہ انسان کی جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ یقینی ہو۔ اگر سیاسی یا مذہبی سیاسی جماعتیں اپنی مزعومہ سیاسی طاقت کی بنیاد پر معاشرے میں خوف و ہراس پھیلائیں اور فرقہ واریت کو فروغ دیں تو یہ سراسر ایمان کے معاشرتی تقاضوں کے خلاف ہے۔ عوام میں محبت و اخوت اور رواداری و برداشت پیدا کرنا اور معاشرے کی مختلف اکائیوں کو ایک ہی لڑی میں پروئے رکھنا اسلام کے سیاسی نظام کا ہدف اول ہے۔ (ترجمہ): ''اور اللہ نے ان کو خوف سے امن دیا۔'' (106:4)

3۔ فقر و غربت کے باوجود انسانیت کے مفاد کے لیے خرچ کرنا: ایمان کی تکمیل کا تیسرا معاشرتی تقاضا معاشرے میں ایسا معاشی نظام قائم کرنا ہے کہ جس سے عوام دن بدن خوش حالی کی طرف برابر آگے بڑھتی رہے۔ قرآن حکیم میں ہے: (ترجمہ) ''یعنی مسلمان جماعت ایسا معاشی نظام قائم کرتی ہے کہ ہر طرف سے رزق کی فراوانی ہوتی ہے۔'' (16:12) مسلمان جماعت کا ایمان ہے کہ دنیا کے تمام وسائل کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اس نے تمام انسانوں کو ان وسائل سے استفادہ کرنے کا حق سب کو برابر دے رکھا ہے۔ کسی مال پرست انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق پر شب خون مارے۔ اس لیے ایسا معاشی نظام جو اللہ کے عطا کردہ وسائل کو چند مخصوص افراد میں مرکوز کر دے اور عوام کو بنیادی ضروریات تک مہیا نہ کرے، وہ اسلام کا معاشی نظام نہیں ہے۔ بلکہ وہ سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام ہے جو عوام کو اپنے اعضا اور بچوں تک کو بیچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

اس طرح قرآن و حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمان جماعت کے ایمان کا لازمی نتیجہ انسانی معاشرے میں عدل، امن اور معاشی خوش حالی کی صورت میں ظاہر ہونا چاہیے۔ گویا کہ مسلمانوں کا فکر اور فلسفہ انسانیت کو ان تین حوالوں سے مکمل طور پر مطمئن کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ افسوس کہ آج مسلمان ایمان کے ان معاشرتی تقاضوں سے غافل ہو گئے۔ اور قرآن و سنت کی روشنی میں مسلمان جماعت کے بنیادی اَخلاق اور رویوں سے محروم ہو گئے۔ آج ضرورت ہے کہ ان ایمانی تقاضوں کو مجموعی طور پر سوسائٹی میں غالب کرنے کی شعوری حکمتِ عملی ترتیب دی جائے۔ اپنی نوجوان نسل کو دین اسلام کے ان معاشرتی تقاضوں سے روشناس کرانے کے لیے شعوری محنت کی ضرورت ہے۔

rahimia.org

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری کے
سفرِ حج کی روداد

مفتی عبدالغنی قاسمی

گزشتہ کئی سالوں سے ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ کی مجلس منتظمہ کے اراکین اور مجازین حضرت اقدس رائے پوری اپنے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ کی معیت میں سفرِ حج کے خواہش مند تھے۔ ہر سال حج کی درخواستیں جمع کرائی جاتیں، لیکن قرعہ اندازی میں نام نہ آنے کی وجہ سے یہ سفر نہ ہوسکا۔ سال 2010ء میں پرائیویٹ حج سکیم کے تحت ادارہ الحرمین لاہور کے زیرانتظام ان تمام حضرات نے حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ کی معیت میں حرمین شریفین کا سفر کیا۔ اور فریضۂ حج کی ادائیگی کی۔

چناں چہ مؤرخہ 12 اکتوبر 2010ء کو 18 افراد پر مشتمل وفد حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری کی معیت میں لاہور سے جدہ کی فلائٹ پر حجاز پہنچا۔ اسی تاریخ کو رات گئے مکہ معظمہ پہنچنا ہوا۔ اور مستشفیٰ جیاد کے قریب فندق السرایا میں قیام ہوا۔ اور اگلے دن عمرے کی ادائیگی سے فارغ ہوئے۔ اور پھر بیس روز مسلسل مکہ معظمہ میں قیام رہا۔ اس دوران وفد کے اراکین حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ کی معیت میں انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ عبادات اور بیت اللہ الحرام کے طواف میں مشغول رہے۔ حرم میں عام طور پر حضرت اقدس رائے پوری باب عبدالعزیز اور باب فہد کے درمیان ترکوں کی مسجد میں تشریف فرما رہے۔ اس دوران حرم شریف میں علما اور مشائخ سے ملاقاتیں رہیں۔ خاص طور پر تبلیغی مرکز نظام الدین دہلی کے امیر حضرت مولانا زبیرالحسن کاندھلوی زید مجدہم کئی دفعہ حضرت اقدس سے ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ اور اپنے صاحبزادگان کی بھی حضرت سے ملاقات کرائی۔ اور دعا کی خصوصی درخواست کی۔ نیز انھوں نے فرمایا کہ: ''ہم نے اپنا بچپن رائے پور میں حضرت کی گود میں گزارا ہے۔'' اس موقعے پر حضرت رائے پوری نے فرمایا کہ: ''حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا تعلق تھا۔ حضرت مولانا ہمارے آبائی گاؤں گمتھلہ میں واقع آموں کے باغ میں کئی کئی ہفتے قیام فرما رہتے تھے۔ حضرت والد گرامی (شاہ عبدالعزیز رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ) تمام علما اور فضلا کے لیے خصوصی دعوت کا اہتمام کیا کرتے تھے۔'' اس موقعے پر حضرت اقدس رائے پوری نے ادارہ رحیمیہ کی طرف سے طبع شدہ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''القول الجمیل'' بھی مولانا زبیرالحسن صاحب کو مرحمت فرمائی۔

اسی طرح مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران حج کے فرائض ذمہ داریوں اور شرعی مسائل سے آگہی کے لیے ادارہ الحرمین کے چیف ایگزیکٹو جناب شاہد منظور صاحب نے اپنے گروپ کے احباب پر مشتمل کئی پروگرامز منعقد کیے۔ جن میں صدر ادارہ رحیمیہ ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن اور راقم سطور نے خطابات کیے۔ اور گروپ کے احباب کو حج کے آداب اور شرعی مسائل سے آگاہ کیا۔ نیز مدینہ منورہ حاضری کے آداب بیان کیے۔ مکہ مکرمہ میں امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے شیخ محمد مکی (مدرس مسجد حرام) سے بھی احباب نے خصوصی ملاقات کی۔ جس میں انھوں نے تقریباً گھنٹہ بھر تک اپنے والدِ گرامی سے سنے ہوئے حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات بیان کیے۔ جنھیں بعض احباب نے ریکارڈ بھی کیا ہے۔ مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران صدر ادارہ جناب مفتی سعید الرحمٰن اعوان مدظلہ، اور ناظم اعلیٰ ادارہ رحیمیہ جناب مفتی عبدالخالق آزاد صاحب مدظلہ ''مکتبۃ الحرم المکی'' بھی تشریف لے گئے۔ یہ ایک قدیم لائبریری ہے۔ جسے امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے مکہ مکرمہ کے ایک میزبان مولانا عبدالوہاب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادے نے قائم کیا تھا۔ اس لائبریری سے حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت استفادہ کیا۔ اور اس میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتابوں کے قلمی مخطوطات جمع کیے تھے۔ پہلے یہ لائبریری مسجد حرام کے بالکل سامنے تھی۔ اب خاصے فاصلے پر بہترین اور عمدہ عمارت میں منتقل ہوچکی ہے۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے قلمی مخطوطات کی تلاش میں اس لائبریری میں جانا ہوا۔ قسم المخطوطات کے مدیر حضرت مولانا عبدالقیوم گلگتی نے بڑا تعاون کیا۔ اس طرح حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کے اہم قلمی نسخے دستیاب ہوئے۔ اور ان سے استفادے کا موقع ملا۔ اسی طرح صدر ادارہ اور راقم السطور کا جامعہ امّ القریٰ کی لائبریری دیکھنے جانا ہوا۔ اور وہاں پر ہم نے اپنے ایک ہم سبق مولانا عبدالقیوم سندھی سے ملاقات کی۔ انھوں نے بھی علمی حوالے سے تعاون کیا۔ پھر وہ ہوٹل میں حضرت اقدس رائے پوری مدظلہ سے ملاقات کے لیے بھی تشریف لائے۔ اس طرح مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران بھرپور علمی اور عملی مصروفیات رہیں۔

مکہ مکرمہ میں بیس روز قیام کے بعد یکم نومبر 2010ء کو مدینہ منورہ روانگی ہوئی۔ اور تقریباً 9 روز وہاں قیام رہا۔ مدینہ منورہ میں قیام باب فہد کے قریب ایک ہوٹل میں رہا۔ اس دوران بارہا حضرت اقدس رائے پوری کی معیت میں تمام احباب روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دیتے رہے۔ اور کثرت سے درود شریف پڑھتے رہے۔ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران کھانے کا انتظام بھائی نور محمد صاحب نے کیا ہوا تھا۔ جو بڑی پابندی سے صبح شام مسجد قبا سے خود کھانا تیار کر کے حضرت کے مہمانوں کے لیے لے کر آتے تھے۔ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران خانقاہ کے قدیم متوسل حضرت مولانا ڈاکٹر محمد افضل صاحب اور مولانا ثناء اللہ صاحب بھی سعودی عرب کے معروف شہر ''الخبر'' سے ملاقات کے لیے آئے۔ اور خانقاہ سراجیہ کے موجودہ مسند نشین حضرت مولانا صاحبزادہ خلیل احمد صاحب نے بھی مسجد نبویؐ میں حضرت اقدس رائے پوری سے ملاقات کی۔ اسی طرح قاری محمد فاروق صاحب مدرس مسجد نبوی بھی ملاقات کے لیے تشریف لاتے رہے۔ اسی طرح جناب مفتی ارشد معاویہ، جو آج کل ہانگ کانگ میں تبلیغی فرائض سرانجام دے رہے ہیں، حج کے لیے 70، 80 افراد کے گروپ لیڈر کے طور پر مدینہ طیبہ پہنچے تھے۔ حضرت مدظلہ سے ان کا تعلیمی دور سے ارادت مندی کا تعلق ہے۔ ہوٹل میں تشریف لائے اور گروپ کے حجاج کرام سے وعظ ونصیحت کے لیے درخواست کی۔ چناں چہ عصر کی نماز کے بعد حضرت مدظلہ چند احباب کے ساتھ تشریف لے گئے اور جناب مفتی ارشد معاویہ صاحب نے گروپ کے تمام احباب کو خانقاہ عالیہ رائے پور کی خدمات دینیہ اور خصوصیات سے متعارف کروایا۔ مفتی سعید الرحمٰن اعوان صاحب کا بیان ہوا۔ اور حضرت اقدس مدظلہ کی دعا سے مجلس اختتام پذیر ہوئی۔

11 نومبر کو مدینہ منورہ سے واپس مکہ مکرمہ میں آنا ہوا۔ اور پھر دو روز بعد ہی منیٰ، عرفات، مزدلفہ کے قیام کے لیے روانہ ہوگئے۔ اور مناسکِ حج ادا کیے۔ عرفات میں حج کے خطبے کے بعد ادارہ الحرمین کے احباب کے لیے خطبہ حج کا اردو ترجمہ اور میدانِ عرفات کے فضائل وآداب کے حوالے سے ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ مفتی عبدالخالق آزاد صاحب مدظلہ العالی نے بیان فرمایا۔ اور حضرت اقدس رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے انتہائی رقت آمیز دعا کروائی۔ منیٰ میں قیام کے دوران بھی بیانات کا سلسلہ جاری رہا۔ جس میں صدر ادارہ اور دیگر احباب نے منیٰ میں قیام کے آداب بیان کیے۔ انہی ایام میں خانقاہ رائے پور کے بہت سے ایسے متوسلین، جو انڈیا سے حج کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے، حضرت اقدس سے ملاقات کے لیے آئے۔ جن میں خاص طور پر رائے پور مدرسہ فیض ہدایت کے اساتذۂ کرام تھے۔ اور میوات سے مولانا نسیم الدین قاسمی اور ماسٹر شمس الدین وغیرہ احباب تھے۔ قصبۂ رائے پور سے خانقاہ کے متعلقین میں سے راؤ سہیل اور راؤ عبدالقدوس، اور دہلی سے محترم جناب عارفین صاحب کے صاحبزادے جناب محمد الیاس صاب وغیرہ نے بھی ملاقات کی۔ اور حضرت مولانا شیر محمد صاحب وحدت روڈ لاہور بھی احباب کے ساتھ حضرت اقدس مدظلہ سے ملنے کے لیے تشریف لائے۔ آخری ایام میں حرم میں اور بہت سے احباب نے بھی حضرت اقدس رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ سے ملاقات کی۔ اور آپ کی دعاؤں میں شریک ہوئے۔ اور اس کے فوری بعد ہی 22 نومبر کو پاکستان واپسی ہوگئی۔ لاہور ایئرپورٹ سے سیدھا ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ میں تشریف آوری ہوئی۔

Monthly RAHIMIA Lahore 123-R رجسٹرڈ نمبر CPL No. 59

رفتار کار.....

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ میں حضرت مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی کی آمد

عتیق الرحمٰن ایڈووکیٹ

حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلوی کے خلف الرشید اور ان کے مجاز حضرت مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی گزشتہ دنوں پاکستان تشریف لائے تو حضرت اقدس رائے پوری کی دعوت پر مؤرخہ 10 دسمبر 2010ء بروز جمعۃ المبارک بعد نماز مغرب ادارہ رحیمیہ میں بھی تشریف لائے۔ آپ ہندوستان کے نامور محققین علما میں شمار ہوتے ہیں۔ خاص طور پر 1857ء کی جدوجہد آزادی کے بہت سے پہلوؤں پر آپ کی نظر ہے۔ نیز خانوادۂ ولی اللّٰہی کے تمام حضرات کی قلمی تحریرات آپ کے وقیع کتب خانے کی زینت ہیں۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ خانقاہ رائے پور کے ساتھ آپ کی پرانی وابستگی ہے۔ حضرت اقدس رائے پوری جب بھی خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور میں تشریف لے جاتے ہیں تو مولانا کاندھلوی ملاقات اور زیارت کے لیے ضرور تشریف لاتے ہیں۔ ادارہ رحیمیہ میں ان کی آمد پر خانقاہ کے متوسلین اور ولی اللّٰہی فکر کے حامل نوجوانوں کا ایک اجتماع منعقد ہوا۔ جس میں سب سے پہلے ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ نے مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی کے خانقاہ سے تعلق، ولی اللّٰہی علوم کی کتابوں کے حوالے سے ان کی وقیع لائبریری اور 1857ء کی جدوجہدِ آزادی سے متعلق ان کے تحقیقی کام کا تعارف کرایا۔ اور پھر ان سے درخواست کی کہ وہ خانوادۂ ولی اللّٰہی کے وقیع تسلسل اور 1857ء کی جدوجہد آزادی سے متعلق معلومات اور برعظیم پاک و ہند میں ولی اللّٰہی علما و مشائخ کے تعارف کے حوالے سے بیان فرمائیں۔ چناں چہ اس پر مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی نے مفصل بیان فرمایا۔ جس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ الامام شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے سلسلے کے علمائے ربانیین کی علمی، فکری اور عملی خدمات پر روشنی ڈالی۔ اور شریعت، طریقت اور سیاست اور سماجی تشکیل کے حوالے سے ہونے والی ولی اللّٰہی جماعت کی جدوجہد سے نوجوانوں کو آگاہ کیا۔ کم و بیش تقریباً ایک گھنٹہ مولانا کاندھلوی نے خطاب کیا۔ اس کے بعد حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ کی دعا سے اس اجتماع کا اختتام ہوا۔ اس اجتماع میں مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا مرغوب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ بجنوری کے انتقال پُر ملال پر ان کے ایصال ثواب کے لیے دعا بھی کی گئی۔ نیز حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلوی دامت برکاتہم العالیہ کی صحت اور امراض سے شفایابی کے لیے بھی دعا کی گئی۔

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری سے استفادہ نشست کا انعقاد

مؤرخہ 9 جنوری 2011ء بروز اتوار کو خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے متوسلین اور ولی اللّٰہی فکر سے وابستہ نوجوانوں کے لیے حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری سے استفادہ نشست کا انعقاد کیا گیا۔ اس نشست کی صدارت صدر ادارہ ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن صاحب نے کی۔ اس نشست میں پہلے حضرت اقدس رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے دینی حوالے سے سماجی تشکیل کے موضوع پر خصوصی خطاب فرمایا۔ اور دین اسلام کے غلبے کی درست حکمتِ عملی اور طریقۂ کار کی وضاحت فرمائی۔ آپ نے خطاب کے بعد دوستوں کے سوالات کے جوابات دیے۔ اس دوران تمام احباب نے حضرت اقدس رائے پوری سے بھرپور استفادہ کیا۔ اور آپ کی صحبت سے مستفید ہوئے۔ اس نشست کا اختتام حضرت اقدس رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ کی دعا سے ہوا۔

دینی مسائل

اس صفحہ پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔

از جناب مفتی عبدالغنی قاسمی شعبہ دارالافتاء ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال 1 ایک نمازی نے بھول کر ظہر کی نماز چار کے بجائے پانچ رکعت پڑھ لیں، کیوں کہ وہ چوتھی رکعت کو تیسری رکعت سمجھ رہا تھا۔ البتہ سلام پھیرنے سے پہلے ہی اس کو یاد آ گیا۔ اور سجدہ سہو بھی کر لیا تو کیا اس کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟

جواب ظہر کی نماز کا آخری قعدہ فرض ہے۔ اگر آخری قعدہ پر نہیں بیٹھا، جیسا کہ سوال سے معلوم ہو رہا ہے تو یہ نماز اس کی نفل بن گئی۔ فرض نماز دوبارہ ادا کرے۔

سوال 2 سردی سے حفاظت کے لیے پاؤں پر لیدر اور ریگزین کے موزے پہنے جاتے ہیں۔ اور وضو کرتے وقت ان کو اتارا نہیں جاتا۔ صرف انہی پر مسح کر لیا جاتا ہے۔ تو کیا موزے کی حالت میں پاؤں کا دھونا وضو میں ضروری نہیں رہتا؟ اس کی تفصیل سے آگاہ کریں۔

جواب لیدر اور ریگزین یا اس جیسے میٹریل سے بنے ہوئے موزے اگر وضو کی حالت میں پہن لیے جائیں تو دوبارہ وضو کے وقت ان پر صرف تین انگلی کی مقدار مسح کر لینا کافی ہے۔ پاؤں کا دھونا ضروری نہیں۔ یہ مسح مقیم کے لیے ایک دن رات اور مسافر کے لیے تین دن تین رات تک جائز ہے۔ اس مدت کے بعد موزے اُتار کر پاؤں کا دھونا ضروری ہے۔

سوال 3 ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق رجعی دے دی۔ عدت طلاق ختم ہو جانے کے بعد دونوں سابقہ میاں بیوی اپنی ازدواجی حیثیت بحال کرنا چاہتے ہیں۔ براہ کرم اس کے شرعی طریقے کی رہنمائی فرمائیں۔ ان کے لیے نکاحِ جدید اور مہر جدید ضروری ہے یا سابقہ نکاح کو کسی صورت میں درست کہا جا سکتا ہے؟ سائل: پروفیسر ذوالفقار احمد، اسلام آباد

جواب طلاق رجعی کی عدت ختم ہو جانے کے بعد رجعی نہیں، بلکہ طلاق بائنہ ہو جاتی ہے۔ اس لیے دوبارہ ازدواجی حیثیت بحال کرنے کے لیے نئے سرے سے نکاح کرنا اور نیا مہر باندھنا ضروری ہے۔ دو آدمیوں کے سامنے ایجاب و قبول کرنا کافی ہے۔ اور مہر اپنی رضامندی سے طے کر لیں، جس کی مقدار کم از کم 31 گرام چاندی یا اس کی قیمت ہے۔ آج کل کی قیمت کے مطابق کم از کم تقریباً 3,000 (تین ہزار) روپے ہے۔

سوال 4 اگر والدین شادی شدہ لڑکی کو شوہر کے گھر نہ بھیجیں اور لڑکی بھی والدین کی رضا کے بغیر شوہر کے ہاں جانے سے انکار کر دے تو اس عرصے میں بیوی کے اخراجات شوہر کے لیے ادا کرنا لازمی ہے یا نہیں؟

جواب ایسی صورت میں بیوی کے اخراجات شوہر کے ذمے نہیں ہوں گے۔

سوال 5 زید نے رمضان المبارک کے پندرہ روزے پاکستان میں رکھے۔ اس کے بعد عمرے کی نیت سے حرمین شریفین چلا گیا۔ وہاں چوں کہ رمضان المبارک پاکستان سے ایک دن پہلے شروع ہوا، اس لیے ابھی اس کے اٹھائیس روزے ہوئے تھے کہ عید کا اعلان ہو گیا۔ تو کیا اس شخص کو اٹھائیس روزے کے بعد عید کرنی چاہیے؟ یا عید کے دن یہ اپنا روزہ مکمل کرے؟

سائل محمد ندیم سمن آباد

جواب اس شخص کو چاہیے کہ عید الفطر اہل حرمین کے ساتھ کرے اور بعد میں ایک روزے کی قضا کر لے۔

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "رحیمیہ" رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ، لاہور سے شائع کیا۔